حکمتِ تنظیم

خرم مرادؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکمتِ تنظیم

حکمتِ تنظیم ایک نیا موضوع ہے۔ تنظیم کے بارے میں ہم اب تک جو کچھ سنتے اور بولتے رہے ہیں، یہ اس سے ذرا مختلف قسم کی چیز ہے۔ اس میں سمع وطاعت، شوریٰ، احتساب اور نظم وضبط کے موضوعات نہیں آتے۔ حکمتِ دعوت اور حکمت انقلاب کی اصطلاحات سے آپ واقف ہیں۔ حکمت دعوت ان اصولوں اور تدابیر کو کہتے ہیں، جن سے دعوت کا کام مؤثر ہو سکے۔ جب کہ حکمت انقلاب میں وہ اصول اور تدابیر شامل ہیں، جن سے انقلاب کی منزل نہ صرف قریب آسکے بلکہ اسے ہم جلد حاصل کرسکیں۔ اس صورت میں حکمت تنظیم کے معنیٰ ہوں گے وہ اصول وتدابیر جن سے تنظیم اپنے مقاصد کے حصول کے لیے مؤثر اوز مفید ہو سکے۔

ہر تنظیم کسی مقصد کے لیے وجود میں آتی ہے اور اُس مقصد کے حصول میں، جس قدر وہ مؤثر (Effective) اور کارگر (Efficient) ہوگی اُسی قدر وہ زیادہ کام یاب و بامراد ہوگی۔ ایسی صورت میں ہم سب کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ کون سے اصول یا تدابیر ہیں، جو مقصد تنظیم کے لیے مؤثر اور مفید ہوسکیں گے۔

بات یہاں سے شروع ہوگی کہ تنظیم کیا کرتی ہے اور اس کی اہمیت کیا ہے؟ عام نقطۂ نظر سے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ تنظیم کے دو کام ہیں۔ ایک یہ کہ وہ افراد کو جمع کر کے ایک ایسا مجموعہ بنائے، جس کی طاقت اور قوت افراد کے عام مجموعے سے کئی گنا زیادہ ہو۔ اگر آپ ریاضی کے جمع کے فارمولے سے افراد کی قوتوں اور طاقتوں کو جمع کریں تو تنظیم میں آ کر وہ اضعافاً مضاعفہ کئی گنا زیادہ بڑھ جائیں گے۔ اس کو اردو کے محاورے کے مطابق ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک اور ایک کو جمع کر کے دو بنانا تنظیم کا کام نہیں ہے۔ بلکہ ایک اور ایک گیارہ کے نظریے پر عمل ہونا چاہیے۔ وہی

افراد جو الگ الگ مختلف صلاحیتوں اور قوتوں کے مالک ہوتے ہیں، جب وہ مل جاتے ہیں تو ان کی صلاحیتیں اور قوتیں کئی گنا زیادہ ہو جاتی ہیں۔ اور تنظیم کا دوسرا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ کام جو افراد اپنی انفرادی حیثیت میں نہیں انجام دے سکتے، اُسے تنظیم انجام دیتی ہے۔

اگرچہ تنظیم مختلف صورتوں میں انسان کے ساتھ ہمیشہ اور ہر دور میں موجود رہی ہے، لیکن پچھلے سو سال میں تنظیم نے بہ حیثیت ایک ادارہ کے اتنی ترقی کی ہے کہ انسان نے اسی تنظیم کے بل پر بڑے بڑے کارنامے انجام دیے ہیں۔ ایک شخص اپنے باغ میں سیب کو گرتا ہوا دیکھ کر یہ نتیجہ نکال سکتا تھا کہ پوری کی پوری کائنات کششِ ثقل (Gravity) کے اوپر قائم ہے۔ لیکن ایک شخص کے بس میں نہیں تھا کہ وہ انسان کو چاند کے اوپر پہنچا دے۔ اس کے لیے بڑی منظم جدوجہد کی ضرورت تھی۔ ایک معمولی دکان دار اپنی دکان پر بیٹھ کر اپنا کاروبار چلا سکتا ہے، لیکن یہ اس کے بس میں نہیں ہے کہ وہ ایک ملٹی نیشنل کارپوریشن (Multinational Corporation) بنا کر دنیا کے کونے کونے میں اپنا کاروبار پھیلا دے۔ ایک شخص بیٹھ کر اپنے خیالات کی ترویج و اشاعت کر سکتا ہے، لیکن یہ اس کے بس میں نہیں ہے کہ پوری کی پوری قوم اور معاشرے کو مسخر کر کے اس کو کسی انقلاب کی راہ پر لگا دے۔ لہٰذا تنظیم وہ کام کر جاتی ہے اور اُسے کرنا بھی چاہیے، جسے، افراد الگ الگ نہیں کر سکتے۔

یہ تو اِس کا ایک عام پہلو ہے۔ اگر دوسرے پہلو سے آپ سوچیں تو میں یوں کہا کرتا ہوں کہ ہماری ساری دعوت، جو بے شمار الفاظ اور بے شمار صفحات کے اوپر پھیلی ہوئی ہے، اِس کو سمیٹ کر اگر ہم اس کا خلاصہ بیان کرنا چاہیں تو صرف دو جملوں کے اندر کر سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اقامتِ دین کا کام مسلمانوں پر فرض ہے اور دوسرے یہ کہ یہ فریضہ تنظیم یا اجتماعیت کے بغیر ادا نہیں ہو سکتا۔ باقی ہماری ساری باتیں وہی ہیں، جو اِس دور میں مانی جاتی ہیں اور کہی جاتی ہیں۔ اور اُس دور میں بھی مانی جاتی رہیں اور کہی جاتی رہیں، جس وقت اس تحریک کا آغاز ہوا۔ گویا سب کو ان باتوں سے اتفاق ہے۔ لیکن یہ وہ منفرد دو باتیں تھیں، جو دراصل تحریک کی بنیاد بنیں، کہ ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ وہ اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لیے جدوجہد کرے اور اس جدوجہد کے لیے اجتماعی زندگی بھی ناگزیر اور فرض ہے۔ اس لحاظ سے یہ تنظیم ہمارے لیے ایک بنیاد کے پتھر کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہم نے جان بوجھ کر ہی یہ بات کہی ہے کہ انفرادی طور پر خواہ کتنے ہی کام

ہوسکیں، لیکن اقامت اور اسلامی انقلاب کا کام تنظیم کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اگر ہم لوٹ کر یہ پھر دیکھنا چاہیں کہ فی الواقع حکمتِ تنظیم سے ہمیں کیا حاصل ہوگا تو حکمتِ تنظیم کے معنی یہ ہیں کہ وہ تنظیم کو اس قابل بنائے کہ مطلوب چیز ہمارے لیے ممکن ہو سکے۔ انسان بہت سارے خواب دیکھتا ہے اور بہت ساری تمنائیں اور آرزوئیں رکھتا ہے لیکن وہ سب کی سب ممکن نہیں ہوتیں۔

تنظیم کا کام یہ ہے کہ ان خوابوں، آرزوؤں اور تمناؤں کو ممکن بنائے۔ بلکہ ممکن سے آگے بڑھ کر ان کو ایک حقیقت بنادے۔ جو چیز ناممکن نظر آتی ہے، وہ ممکن بن جائے اور جو چیز ممکن بن جائے تو وہ حقیقت کا روپ دھار لے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ کام زیادہ سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ ہو۔ اس میں ہم رفتار کا تعین نہیں کرتے۔ لیکن جس قدر تیز رفتاری سے یہ کام ہوگا، اسی قدر تنظیم مؤثر اور مفید ہوگی۔ اور تیسری بات یہ کہ جو وسائل اور مساعی اس کام میں صرف ہوں، وہ زیادہ سے زیادہ نتیجہ خیز ہوں۔ کم سے کم کوشش اور کم سے کم خرچ سے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل ہو۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی کرتا چلوں کہ جب میں وسائل کا لفظ بولتا ہوں اور بڑی کثرت کے ساتھ بولوں گا تو آپ کے ذہن میں فوراً بیت المال اور پیسہ آئے گا۔ لیکن وسائل سے میری مراد بیت المال نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سب سے بڑھ کر وسائل انسان ہیں۔ انسان کا وقت ہے اور اس کی صلاحیتیں ہیں، مقصد سے اس کی وابستگی اور لگن ہے، اور اس کی اخلاقی صفات ہیں۔ یہ ساری چیزیں وسائل میں شمار ہوتی ہیں۔ اسی طرح جب میں خرچ کا لفظ استعمال کروں تو آپ مال ہی کے خرچ کی بات نہ سوچیں، بلکہ انسانوں کے اوقات، ان کی صلاحیتیں اور ان کی استعداد کو خرچ کرنا بھی وسائل کا خرچ کرنا ہے۔ تنظیم کا کل بجٹ صرف مال پر مشتمل نہیں ہوتا۔ یہ تو محض وسائل کا ایک حصہ ہے۔ بلکہ انسانوں کے یہ سارے مجموعے بھی بجٹ کے اندر شامل ہیں۔ مثلاً آپ اگر یہ کہیں کہ اس تربیت گاہ پر کتنے وسائل لگے تو شاید آپ چند ہزار روپیہ نکال کر اس کا حساب دیں گے۔ لیکن میرے خیال میں اس میں کم سے کم ڈھائی تین ہزار دن کے وسائل بھی تربیت گاہ کے اوپر خرچ ہوئے۔ میں آگے اسی لحاظ سے گفتگو کروں گا۔

اوقات، صلاحیتیں، قوتیں، توجہات، وابستگی، لگن انسانوں کی یہ ساری چیزیں وسائل کے اندر شامل ہیں۔ اگر تنظیم موثر نہ ہو اور وہ حکمت میسّر نہ ہو، جس سے تنظیم کو مؤثر کیا جاسکے تو اس کا امکان ہے کہ وسائل موجود ہوں اور کام نہ ہو۔ بینک کے اندر سرمایہ موجود ہو، نفع نہ ہو اور وہ کسی

کاروبار میں نہ لگ سکے۔ تمام بھاگ دوڑ اور کوششیں بھی ہوں اس کے بعد بھی نفع نہ ملے۔ میں اگر کاروبار اور نفع کی اصطلاح استعمال کر رہا ہوں تو اس سے بھی آپ نہ گھبرائیں۔ اس لیے کہ ان سے بات کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے اور یہ خالص قرآن مجید کا استعارہ ہے۔ اگر آج کسی Business اور Corporation کی مثالیں لیں تو یہ بالکل عین قرآن مجید کے بیان کے مطابق ہوگی۔ اس لیے جب میں کہتا ہوں کہ کاروبار میں روپیہ بینک میں لگا رکھا ہے اور وہ نفع نہ دے یا کاروبار میں لگایا جائے پھر بھی نفع نہ دے تو دراصل اس کے معنی یہ ہیں کہ انسانوں کا مجموعہ جہاد کے کام کے لیے جمع ہو جائے اور وہ اس کام میں نہ لگے۔ اور لگے بھی تو جہاد کی منزل قریب نہ آئے۔ دراصل یہ اس بات کو کہنے کا معروف پیرایہ ہے، جو قرآن مجید نے خود بار بار استعمال کیا ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے ایک اور بات کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ تنظیم مختلف نوعیت کی ہو سکتی ہے۔ جب میں نے کہا تھا کہ حکمت تنظیم وہ ہے، جس کے ذریعے تنظیم اپنے مطلوب مقصد کو ممکن اور حقیقت بنا سکے۔ کم سے کم وقت اور کم سے کم وسائل کے ساتھ بنا سکے تو اس کا انحصار اس پر ہے کہ تنظیم کا مقصد کیا ہے۔ مقصد اور نوعیت کے لحاظ سے تنظیموں کی جو بے شمار قسمیں کی گئی ہیں، وہ اس وقت زیر بحث نہیں ہیں۔ اِس وقت میں صرف ایک قسم آپ کے سامنے رکھوں گا۔ اس لیے کہ وہ میری گفتگو سے متعلق ہے۔ تنظیم کی ایک قسم وہ ہوتی ہے، جو چلتے ہوئے اداروں اور کاموں کو چلانے کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ انگریزی میں اسے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ Maintenance Organisation ہو۔ ایک قسم کی تنظیم وہ ہے، جس کے سامنے Maintenance سے زیادہ ترقی Development ارتقا Evolution پیش رفت، اور تحریک ہوتی ہے۔ اسے میں Movement Organisation کہوں گا۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کوئی تنظیم خالص Maintenance کی تنظیم ہوگی اور کوئی تنظیم خالص Movement کی۔ یہ دونوں چیزیں ہمیشہ ملی جلی موجود رہیں گی۔ کسی کام کو آگے بڑھانے اور پیش رفت کے لیے کسی ڈھانچے کو برقرار رکھنا ضروری ہوگا۔ جب تک کوئی ایسا ڈھانچا موجود نہ ہو، جس کے بل پر آگے پیش رفت ہو سکے وہ ڈھانچہ آگے نہیں بڑھ سکتا ہے۔ اور کسی چیز کو برقرار رکھنے کے لیے جو ڈھانچا بھی بنے گا، اگر وہ جاندار ہوگا تو سال کے سال یہ سوچے گا ہی کہ اپنے آپ کو کیسے بہتر بناؤں۔ دراصل ہماری جو اسلامی تنظیم ہے یہ تحریکی تنظیم ہے۔ اس کے سامنے کسی چلتی ہوئی چیز کو محض چلانا مقصود نہیں ہے۔

اس کا مقصد پیش رفت ہے۔اس کا اہم مقصد معاشرے کو مسخر کرنا ہے۔اس کا مقصود پھیلنا اور گرفت میں لینا ہے اور غالب ہو جانا ہے۔ یہ تنظیم اسی وقت مفید اور مؤثر کہی جائے گی، جب کہ وہ اپنے اس مقصدِ اصلی میں کامیابی کے قریب پہنچ جائے یا اس کو کسی درجے میں حاصل کر لے۔ اور اگر اس کو حاصل نہ کرے تو خواہ وہ بہ ظاہر کتنی ہی مضبوط اور پھیلی ہوئی نظر آئے وہ مؤثر اور کارگر تنظیم نہیں کہی جا سکتی۔ پھر ایسا ہوگا کہ تنظیم کے پاس وسائل ہوں گے، لیکن وہ نرے وسائل رہیں گے۔ جس طرح ایک سست تاجر کے پاس بینک میں لاکھوں روپیہ پڑا ہے اور تجارت کے مواقع آتے رہیں اور وہ ان کو کھوتا رہے اور سمجھے کہ میں تو بہت مالدار ہوں لیکن فی الواقع وہ اس مقصد کو پورا نہیں کر رہا، جو کہ سرمایے کا مقصد ہے۔ یا یہ کہ وہ کوشش بھی کرے اور سرمایے کو لگائے بھی لیکن اپنی غفلت، بے پروائی، نادانی اور کوتاہی سے نفع حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو۔ اسی طرح تحریکی تنظیم اگر انسانی وسائل کو اسلامی انقلاب کی منزل قریب لانے میں نہیں لگا پاتی یا لگاتی ہے تو اپنی کوتاہی سے ان وسائل کو ضائع کرتی ہے۔ ایسی صورت میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ تنظیم غیر مؤثر اور غیر مفید ہے۔ اگر وہ اس میں کامیاب ہوتی ہے تو خواہ کسی درجے میں ہو، ہم اسے مؤثر اور کارگر کہہ سکتے ہیں۔

اب میں آپ کے سامنے وہ چند اصول اور تدابیر بیان کروں گا، جو میری نظر میں حکمتِ تنظیم کا حصہ ہیں۔ ان اصولوں اور تدبیروں میں تین اصول بالکل بنیادی ہیں، جنھیں تنظیم کو مؤثر رکھنے کے لیے اسے حکمتِ عملی کا لازمی حصہ ہونا چاہییں۔ پہلا یہ کہ تنظیم کے لیے اس کا مقصد اس کی جان اور روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ مقصد ہمیشہ شعوری طور پر واضح رہنا چاہیے۔ وسائل اور اقدامات اسی کی خاطر ہونے چاہییں۔ یہ پہلا اصول ہے، جو تنظیم کو مؤثر بنانے کے لیے لازمی اور ناگزیر ہے۔ یہاں آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ تو بڑی آسان بات ہے۔ ہمارا مقصد ہمارے دستور اور لٹریچر (Literature) میں موجود ہے۔ ہر اجتماع اور تربیت گاہ میں ہم اس کو بار بار دہراتے ہیں۔ آخر یہ اتنی اہم بات کیوں ہوگئی کہ اسے سب سے پہلے اصول کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے؟ میں عرض کروں گا کہ میں اس بات کو یہاں اس لیے رکھ رہا ہوں کہ یہ کوئی انہونی بات نہیں ہے کہ دستور میں لکھے ہوئے مقاصد موجود ہوں، زبانوں پر بھی مقاصد کا تذکرہ ہو، لیکن تنظیم فی الواقع اس مقصد کو اپنی نگاہوں سے اوجھل کر چکی ہو یا وہ مقصد مدھم ہو چکا ہو یا اس میں

تغیر واقع ہوگیا ہو یا اس میں کوئی آمیزش ہوگئی ہو۔ وہ لوگ جنھوں نے اپنے لٹریچر میں یہ تشبیہات پڑھی ہیں کہ قافلہ عازمِ پشاور ہو اور اس کے آگے کراچی کا بورڈ لگا ہوا ہو، وہ کیسے اس بات سے غافل ہو سکتے ہیں۔ یہ حادثے تنظیموں اور تحریکوں کو پیش آسکتے ہیں کہ سائن بورڈ، دستور کے اندر تقریروں میں، کتابوں میں، کچھ اور لگا ہو اور مساعی اور کوششیں اور سمت کچھ اور ہو جائے۔

حدیث نبوی اور قرآن مجید میں جو چیز ہم کو تکرار سے محسوس ہوتی ہے، وہ دراصل اس صحیح مقصد اور صحیح منزل کی تذکیر اور یاددہانی ہے۔ یہ تذکیر اور یاددہانی زندگی کے پہلے دن سے لے کر مدینے کی زندگی کے آخری دن تک کرائی جاتی رہی۔ یہ وہ بات ہے، جس سے کوئی تنظیم اور کوئی تحریک غافل نہیں ہوسکتی۔ اس کے بغیر تنظیم بہ ظاہر تو تنظیم نظر آئے گی، مگر اپنے مقصد اور روح سے خالی ہوکر وہ ایک بے جان جسد کی حیثیت اختیار کرلے گی۔ ایک مردہ اور ایک زندہ انسان کو آپ پہلو بہ پہلو لٹا دیں، تو بہ ظاہر دور سے دونوں میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوگا۔ لیکن جب نبض پر ہاتھ رکھ کر دیکھا جائے گا تب معلوم ہوگا کہ دونوں میں سے کس میں جان ہے اور کون ہاتھ، پاؤں، آنکھ، ناک، کان سب کچھ ہونے کے باوجود، اس وظیفۂ زندگی کو پورا کرنے سے قاصر ہے، جس کے لیے وہ بنایا گیا تھا۔

دوسرا اہم اور بنیادی اصول یہ ہے اور یہ اصول صرف ایک تحریکی تنظیم کے لیے ہے۔ اس لیے کہ اس کے لیے وہی کام اصل کام ہے جو آنے والے کل کی تشکیل اور تعمیر اس کے منصوبے اور مقاصد کے مطابق کرسکے۔ کل وہی کل طلوع ہوگی، جس کے لیے آج کام کیا جائے گا۔ اگر آج کا کام وہ نہیں ہو رہا ہو، جس سے کل کا سورج اس نقشہ پر طلوع ہوگا جو نقشہ ہم چاہتے ہیں؛ تو وہ سورج کبھی طلوع نہیں ہوگا۔ ایک آج کے بعد دوسری آج، دوسری آج کے بعد تیسری آج آتی رہے گی لیکن وہ کل کبھی نہیں آئے گا، جس کل کے لیے ہماری نگاہیں منتظر رہیں گی۔ اور انگریزی کا مقولہ Tomorrow never comes (کل کبھی نہیں آتی ہے) پورا ہو جائے گا۔ اس لیے اُس کل کے لیے ہمیں آج ہی کچھ کرنا ہوگا۔ ہماری ہر پالیسی، ہمارا ہر فیصلہ، ہمارا ہر اقدام، ہمارا ہر قانون، ہمارا ہر ضابطہ اور ہمارے دستور کی ہر شق کو اصل میں کل کے لیے وقف ہونا چاہیے، کل کے لیے بننا چاہیے، کل کے لیے ہونا چاہیے۔ اگر وہ اس کل کو لانے کے لیے مفید اور مدومعاون نہیں ہیں تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ اس تحریک کے مقصد کے لیے اس تحریکی تنظیم کو مؤثر نہیں

بنارہی ہیں۔ اس بات کو کہنے کی شاید ضرورت ہر تنظیم کو ہے۔ لیکن سب سے کم اس بات کو کہنے کے محتاج وہ لوگ ہونے چاہییں، جو اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ آج کی ساری زندگی فکر فردا میں بسر ہونی چاہیے۔ دنیا کی ساری زندگی میں وہی کام کارگر ہے جو آخرت میں نافع ہو۔ جس قوم کے جن افراد کے دل و دماغ میں یہ بات رچی بسی ہو ان کو یہ بات یاد دلانے کی ضرورت نہیں کہ دنیا کے اندر بھی تنظیم کو بھی اب اپنے کام اپنے فیصلے اور اپنے اقدامات کو وہی کرنے چاہییں جو کل نافع ہوں۔ اگر آج کی زندگی آخرت میں وہ نقشہ نہیں بنا سکتی، جو مطلوب ہے تو وہ ضائع اور بے کار ہے۔ اسی طرح تنظیم کے وہ آج کے کام جو کل کا نقشہ بنانے میں مدد و معاون نہ ہوں اور اس مطلوبہ کل کو لانے میں مدد نہیں دے رہے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ بھی اپنی جگہ پر تنظیم کو مؤثر نہیں بنا رہے ہیں۔ تنظیم کو خواہ مخواہ بوجھل بنا کر یہ تاثر دیتے ہیں کہ تنظیم بڑی متحرک ہے اور بڑا کام کر رہی ہے۔

تیسرا بنیادی اصول یہ ہے کہ تنظیم کے کام کے نتائج تنظیم کے اندرون کو دیکھ کر نہیں اخذ کیے جاسکتے۔ ایک تحریکی تنظیم کے کام کے نتائج معاشرے کے اندر ہی دیکھے جاسکتے ہیں۔ پولس کے کام کے نتائج اس بات پر نہیں ہیں کہ پولس کی ڈرل کتنی اچھی ہوگئی اور اس کے لوگ کتنے نظم وضبط سے حاضر ہوگئے یا ان کی وردیاں کتنی صاف ستھری ہیں۔ بلکہ ان کے کام کا اندازہ یہ دیکھ کر کیا جائے گا کہ جرائم پر قابو پانے میں وہ کس حد تک کامیاب ہیں۔ اسی طرح ایک تعلیمی ادارہ بھی اپنے کام کا اندازہ اس بات سے نہیں کرے گا کہ ہماری عمارت کتنی عالیشان ہے۔ ہمارے اساتذہ کی تعداد کتنی ہے یا ہمارے یہاں 10,000 طلبہ آتے ہیں۔ بلکہ اُسے اپنی کامیابی کا اندازہ اس بات کے پیش نظر لگانا ہوگا کہ جو لوگ وہاں سے سند لے کر جاتے ہیں معاشرے میں وہ کیا کرتے ہیں یا معاشرہ انہیں کس نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اسی طرح ایک تحریکی تنظیم کو ہرگز اس بات پر مطمئن نہیں ہونا چاہیے کہ ہمارے اجتماع میں بہت لوگ آگئے، ہماری تربیت گاہ کامیاب ہوگئی، ہم نے بڑے اچھے اچھے رسالے نکال لیے۔ اس لیے کہ اس کے نتائج وہی معتبر ہوں گے، جو معاشرے کے اندر نمودار ہوں گے۔

اب میں بنیادی حکمتِ تنظیم کے ۷ (سات) اصول اور تدابیر آپ کے سامنے پیش کروں گا، جو انہیں سے نکلتے ہیں۔ تین جڑیں ہیں اور یہ اس کی سات شاخیں ہیں۔ اس میں کچھ

اصول بھی ہیں اور کچھ تدابیر بھی۔ جن کو اگر آپ ملحوظ رکھیں اور اُنہیں عملی جامہ پہنائیں تو آپ اُنہیں یقیناً اپنے لیے مفید پائیں گے۔

پہلی بات یہ کہ تنظیم کو خود مقصد نہ بننے دیں۔ میں نے جو بات کہی تھی کہ مقصدِ اصلی پر خصوصی نگاہ رہے۔ اس میں آمیزش بھی ہوجاتی ہے، تغیر بھی ہوتا ہے، یہ نگاہوں سے اوجھل بھی ہوتا ہے۔ سب سے بڑا خطرہ جو کسی تنظیم کو پیش آسکتا ہے، وہ یہ ہے کہ تنظیم خود مقصود بن جائے۔ اس کے معنیٰ یہ ہوتے ہیں کہ جو چیز ایک ذریعے کے طور پر بنائی گئی ہے، جس کا کام یہ ہے کہ معاشرے کو مسخر کرے، اسلامی انقلاب کی منزل کو قریب لائے، اس کی اپنی سروس میں اور اس کی اپنی خدمت کے اندر لوگ مصروف ہوجاتے ہیں۔ یہ چیز خاص طور پر دینی تنظیم میں پیش آسکتی ہے۔ ایک تو بات یہ ہے کہ تنظیم ایک لازمی اور ناگزیر شے ہے اس کو ہم رد نہیں کرسکتے، اس کو چھوڑ نہیں سکتے۔ دوسرے یہ خود بھی ایک مقدس چیز ہے اور دینی اداروں پر یہ کیفیت اکثر طاری ہوتی ہے۔ وہ تنظیمیں وہ مراکز، یا وہ ادارے جن مقاصد کے لیے قائم کیے جاتے ہیں، وہ خود اپنی جگہ پر مقصد بن جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر نماز کو لے لیجیے۔ نماز کا مقصد قرآن نے اقم الصلوٰۃ لذکری واضح کیا ہے۔ لیکن نماز کی حاضری و مسجد خود اپنی جگہ ایک مقصد ہے۔ اس کی روح اور جان نکل چکی ہے۔ اور وہ بھی جان اس لیے نہیں نکلی کہ نماز کی جگہ کوئی دوسری عبادت آکر بیٹھ گئی بلکہ خود نفسِ عبادت کو مقصود بنالیا گیا۔ عبادت کی روح اور حقیقی منزل سے نگاہیں ہٹ گئیں۔ اس کا حقیقی امکان موجود ہے، خاص طور سے دینی تنظیم کے لیے۔ اس کی جو علامات ہیں، اس میں سے ایک علامت تو بڑی صاف اور واضح ہے اور وہ علامت یہ ہے کہ تنظیم کے پاس جو وسائل ہیں، ان کا ایک حصّہ لازماً تنظیم کی خدمت اور تنظیم کو چلانے کے لیے لگتا ہے اور ایک حصّہ اپنی کارکردگیوں اور پیش رفت کی توسیع کے لیے مختص کیا جاتا ہے۔ اور جب تنظیم خود مقصد بننا شروع ہوتی ہے تو سب سے پہلے تناسب بگڑنا شروع ہوتا ہے۔ وہ حصّہ جو تنظیم کی خدمت میں لگتا ہے، وہ بڑھتا جاتا ہے اور وہ حصّہ جو تنظیم کے مقصد اور اس کے پیغام کو پھیلانے کے لیے لگنا چاہیے وہ گھٹتا جاتا ہے اور یہ تناسب بالآخر اُلٹنا شروع ہوتا ہے۔ بالکل ابتدا میں جب دو آدمی کام کرتے ہیں تو ان کے وقت کا شاید ایک حصہ صرف تنظیم پر خرچ ہوتا ہے اور باقی ۹۹ حصہ پھیلنے، توسیع اور غلبہ کی جدوجہد میں جاتا ہے۔ یہ بالکل لازمی ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جب لوگ بڑھیں گے تو

تناسب بڑھے گا۔ تنظیم بڑھے گی زیادہ وسائل دے گی۔ لیکن بالآخر یہ وسائل اپنے فطری مقام سے ہٹ جاتے ہیں۔ اور جب ہٹ جاتے ہیں تو تنظیم کے اثرات میں کمی واقع ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اس کے لیے کوئی فارمولا بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اتنے فیصد وسائل تنظیم کو چلانے کے لیے لگنے چاہئیں اور اتنے فیصد وسائل اس کی ترقی، توسیع، نشو و نما کے لیے۔ لیکن جس طرح ایک ملک کا بجٹ ہوتا ہے اور جب ہم کھڑے ہو کر بجٹ پر تنقید کرتے ہیں تو ہم یہی کہتے ہیں کہ غیر ترقیاتی اخراجات بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور ترقیاتی اخراجات کم ہوتے چلے جا رہے ہیں اور قوم کی معیشت زوال کی طرف جا رہی ہے۔ اسی طرح ہماری تحریک و تنظیم کے پاس جو وسائل ہیں، ان کے بارے میں بھی ہمیں اسی طرح سوچنے کی ضرورت ہے۔ کوئی بھی غیر ترقیاتی اخراجات کی نفی نہیں کرے گا، ہر کوئی چاہے گا کہ غیر ترقیاتی اخراجات کم سے کم ہوں اور ترقیاتی اخراجات زیادہ سے زیادہ ہوں۔ اخراجات سے آپ یہ نہ سمجھیں کہ پیسہ خرچ کرنے کی بات کر رہا ہوں، بلکہ انسانوں کی صلاحیتیں ان چیزوں میں صرف ہوں، جن سے تحریک توسیع حاصل کرے، پھلے پھولے اور معاشرے کو مسخر کرے۔ یہ ایک علامت ہے، جو واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔ اسے جانچا اور پرکھا جا سکتا ہے۔ دوسری علامت یہ ہے کہ پیش رفت کے بجائے تنظیم اپنے مقام پر کھڑی ہو کر وسائل کو صرف کرتی رہے۔ اِسے میں چھوٹی سی مثال سے آپ کو سمجھاؤں گا، شاید بات آپ کی سمجھ میں آجائے۔ اگر ایک موٹر کار ہے تو موٹر کار کا مقصد یہ ہے کہ وہ راستے پر چل کر اپنی منزل تک پہنچے۔ اگر موٹر کار میں ڈرائیور بیٹھا ہو اور اس کا پاؤں ایکسیلیریٹر (Accelerator) پر ہو، اس کے ہاتھ میں اسٹیئرنگ (Steering) ہو، مسافروں سے گاڑی بھری ہوئی ہو، پٹرول ٹنکی سے اس کا پائپ لگا ہوا ہو، پٹرول اس کے اندر برابر جا رہا ہو اور انجن چل رہا ہو تو پٹرول تو اٹھے گا ہی لیکن گاڑی اپنی منزل کی طرف نہیں بڑھ رہی ہے تو اس کا مطلب ہوگا کہ گاڑی خود مقصود بن گئی لوگ بیٹھے جھاڑ پونچھ کر رہے ہیں، آئیلنگ (Oiling) بھی ہو رہی ہے، پٹرول بھی بھر رہے ہیں، مسافر بھی بیٹھے ہوئے ہیں، ڈرائیور بھی موجود ہے اور بہ ظاہر ہر سامان اس بات کی نشاندہی کر رہا ہے کہ یہ بہت مضبوط اور عمدہ گاڑی ہے، لیکن وہ پیش رفت نہ کرے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ گاڑی خود مقصود ہے، منزل مقصود نہیں ہے۔ یہ دو علامتیں ہیں، جن پر کبھی بھی ہم جانچ اور پرکھ کر دیکھ سکتے ہیں کہ ان خطروں سے ہم کتنے قریب ہیں اور کتنے دور۔

حکمت عملی کا دوسرا اصول یہ ہے کہ ایک سیدھا سادہ سوال پوچھنے کی ہمت و جرأت تنظیم کو ہونی چاہیے۔ یہ سوال بڑا سیدھا ہے اور اس کو کرنا بڑا مشکل، اور اس کے کرنے کے لیے بڑی ہمت کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ اس کے جوابات اکثر ایسے آسکتے ہیں جو تلخ یا ناگوار ہوں یا جن پر عمل کرنے کی ہمت نہ ہو۔ وہ مختصر اور سادہ سوال ہے، کیوں؟ جو کچھ بھی ہم کر رہے ہیں کیوں کر رہے ہیں۔ یہ کیوں کا سوال کرنے سے ہم بچتے بھی ہیں۔

ہم بڑے بڑے پروگرام اور منصوبے بناتے ہوئے پہلے یہ نہیں سوچتے کہ ہم کیوں کر رہے ہیں۔ بڑے بڑے کام کرتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ ہم نے کیوں کیا۔ یہ کیوں کا سوال ایک چھوٹی سے چھوٹی چیز کے لیے بھی ہے۔ خواہ ایک سرکلر (Circular) نکالنا ہو، ہفتہ وار اجتماع کرنا ہو، کوئی رسالہ نکالنا ہو، کوئی تربیتی پروگرام منعقد کرنا ہو یا ملک گیر پیمانے پر کوئی مہم چلانی ہو یا بین الاقوامی سطح پر کوئی منصوبہ بندی کرنی ہو لیکن یہ کیوں کا سوال ایک ایسی کلید ہے جو آپ کے ہاتھ میں آئے تو آپ اپنی تنظیم کو موثر اور کارگر بنا سکتے ہیں۔ اور یہ سوال ہر وقت کرنے کی ضرورت ہے۔ ہر وقت سے میری مراد یہ ہے کہ کسی کام کو شروع کرنے سے پہلے بھی، اس کو کرتے ہوئے بھی اور اس کو ختم کرنے کے بعد بھی۔ بلکہ زندگی کے ہر ہر قدم اور ہر ہر معاملے میں یہ "کیوں" کرنے کی ضرورت ہے۔ اس سے کام میں نکھار اور پایہ داری پیدا ہوگی۔ جو کام روز کرنے کا ہے، اس روز کیوں کرنے کی ضرورت ہے۔ جو کام بہت ہی بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، ان کے بارے میں بھی وقفے وقفے سے کیوں؟ کرنے کی ضرورت ہے۔ شوریٰ کا اگر اجتماع ہوا تو کیوں ہوا؟ اگر دستور میں یہ ڈھانچا بنایا گیا تو کیوں بنایا گیا؟ اس سے کیا ہماری منزل قریب آرہی ہے؟ یہ "کیوں"، تحریک یا تنظیم کو مؤثر اور فعّال بنانے کے لیے نہایت مفید اور کارگر عمل ہے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا، یہ سوال جو بڑا آسان نظر آتا ہے، درحقیقت بڑا مشکل ہے، یہ اس لیے مشکل ہے کہ اس کے جوابات جب آنا شروع ہوں گے تو شاید آپ کو یہ محسوس ہوگا کہ بہت ساری چیزیں جنہیں ہم سینے سے لگائے پھر رہے ہیں، وہ ایک ماضی کا بوجھ ہیں۔ ان کی حیثیت ایک لاش کی ہے۔ اگر ہم ان کو ہمت اور جرأت کے ساتھ اٹھا کر پھینک دیں اور نئی راہیں تلاش کریں تو شاید ہمارا قافلہ اپنی منزل کی طرف زیادہ تیزی سے آگے بڑھ سکے۔ لیکن ایک باپ اپنے بیٹے کی لاش کو بھی آخری وقت تک اپنے گھر سے باہر کرنا گوارا نہیں کرتا۔ تحریک اور تنظیم

والے بھی، جن چیزوں کو برسوں سے کرتے چلے آئے ہوں خواہ وہ بہت معمولی چیزیں ہوں، ان کو چھوڑنے کے لیے ہمت اور جرأت کا فقدان ہوتا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اگر کیوں کے جواب میں یہ محسوس ہو کہ چیزیں غیر مؤثر ہیں تو ہر چیز کو ترک کرنا لازمی ہے۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں سخت ڈھانچے کو ملیامیٹ کرنے کی باتیں کر رہا ہوں بلکہ کم سے کم جو فائدہ ہوگا وہ یہ ہوگا کہ آپ یہ سوچیں گے کہ جو کام ہم کرتے چلے آئے ہیں، اگر غیر مؤثر ہے تو ہم اس کو مؤثر کیسے بنائیں؟ اور یہ دیکھیں کہ ہم اُسے کیوں کر رہے ہیں؟ اس سے کیا حاصل ہو رہا ہے؟ اور اصل مقصد کی طرف پیش رفت میں اس سے کیا مدد مل رہی ہے؟

میری نظر میں یہی کام اصل میں جائزے کا کام ہے۔ ہم نے جائزے کا کام اس کو سمجھ لیا ہے کہ ہم کئی لوگ جمع ہوتے ہیں، گھنٹوں صرف کرتے ہیں، رپورٹیں سنتے ہیں، پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ آدمی دو دو دن بیٹھ کر رپورٹیں سنتے ہیں وہی باتیں سنتے ہیں، جن کو اچھی طرح وہ جانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے کام کا جائزہ مکمل کرلیا۔ یہ جائزہ نہیں ہے۔ یہ ایک طرح سے اطلاع یا معلومات ہیں، جو آپ کو فراہم ہوگئی ہیں۔

جائزے کا کام یہ ہے کہ آپ یہ دیکھیں کہ جو کچھ ہوا وہ کیوں ہوا، اس سے کیا حاصل ہوا اور اس سے ہمارے مقصد کی طرف پیش رفت میں کیا مدد ملی؟ اللہ اور رسول نے جو چیزیں فرض کی ہیں، ان کو تو کسی صورت میں ترک نہیں کیا جا سکتا، اگر نماز مفید نہیں ہو رہی تو اسی کو مفید بنانا ہے۔ اس کو چھوڑ کر دوسری تدابیر اختیار نہیں کی جاسکتیں۔ لیکن اس کے علاوہ انسان کی بنائی ہوئی کوئی چیز ایسی مقدس نہیں ہے کہ اس کو ترک نہ کیا جا سکے یا اس میں کسی قسم کی ترمیم و تغیر کی گنجایش نہ ہو۔ یہ وہ چیز ہے جو کیوں کے سوال کے نتیجے میں جائزہ ہوگا اور یہی میرے خیال میں جائزہ کی روح ہے۔ نہ کہ رپورٹوں کا سننا رپورٹوں کا حاصل کرنا یا معلومات کو جمع کر کے معلومات کو مرتب کر دینا۔ اصل جائزہ یہ ہے کہ ہم کیوں کا سوال کریں اور اس کے بعد آگے بڑھنے کی سوچیں اور اس کی تیاری کریں۔

تیسرا اصول اور تدبیر منصوبہ بندی ہے۔ چوں کہ منصوبہ بندی کا لفظ ہماری زندگی میں بڑا عام ہے، اس لیے یہ بتانے سے پہلے کہ منصوبہ بندی سے میرا کیا مطلب ہے، یہ بتانا شاید زیادہ ضروری ہے کہ منصوبہ بندی کیا نہیں ہے؟۔ بعض دفعہ یہ جان لینے سے کہ چیز کیا نہیں ہے یہ

سمجھنا آسان ہوتا ہے کہ وہ کیا ہے۔ منصوبہ بندی اس بات کا نام نہیں ہے کہ کاموں کی ایک فہرست مرتّب کرلی جائے۔ ایک تربیت گاہ ضلعی دو ضلعی، حلقہ جاتی یا علاقائی اجتماعات، مہینے میں چار بار تبلیغی وفود کی روانگی، بس ان کاموں کی ہم نے فہرست مرتب کی اور منصوبہ بندی کرلی۔ یہ تو کاموں کی ایک فہرست یا پروگرام ہے، Plan نہیں ہے۔ Plan اور Programme میں فرق ہے۔ کیے ہوئے کاموں کو کرتے چلے جانا بھی منصوبہ بندی نہیں ہے۔ جو کام پچھلے سال منصوبہ بندی میں شامل تھے بیٹھ کر پھر سب کو شامل کردیں تو یہ کام منصوبہ بندی میں شمار نہیں ہوگا۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ خواہشوں اور تمناؤں کا نام بھی منصوبہ بندی نہیں ہے۔ دعوت کو تیز کردو تربیت کو اور زیادہ تیز کردو، پھیل جاؤ، یہ منصوبہ نہیں ہے۔ یہ ہماری یا آپ کی خواہش ہے۔ اور خواہشوں کا معاملہ یہ ہے کہ وہ کبھی عملی جامہ پہنتی ہیں اور کبھی نہیں پہنتیں۔ منصوبہ وہ ہے جو منصوبہ ساز یا کارکن پر یہ بات واضح کرے کہ اُسے کیا اور کس طرح کرنا ہے۔

جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ کیوں کا سوال سب سے بنیادی اور کلیدی سوال ہے۔ جو بہ ہر حال کیا جانا چاہیے۔ پہلا سوال یہ کہ کیا کرنا ہے؟ دوسرا کس طرح کرنا ہے؟ تیسرا کون سے وسائل درکار ہوں گے؟ اور چوتھا یہ کہ وہ وسائل کہاں سے فراہم ہوں گے؟ ان چاروں سوالوں کا جواب بنیادی طور پر آپ کو دینا ہوگا۔ ورنہ ہوسکتا ہے کہ آپ جیبیں ٹٹولتے رہیں اور کام اپنے کرنے کا تقاضا بھی کررہا ہو، لیکن وسائل کی عدم موجودگی کی وجہ سے آپ مجبور ہوں۔

منصوبہ دراصل مستقبل کی طرف پیش قدمی کا نام ہے۔ میں نے شروع میں یہ بات عرض کی تھی کہ منصوبہ صبح سے لے کر شام تک کے کام کی فہرست تیار کرلینے کا نام نہیں ہے۔ منصوبہ اس بات کا نام ہے کہ آج ہم وہ کون سے کام کریں، جن سے مستقبل اور کل میری مرضی کے مطابق بنیں۔ مستقبل کی طرف پیش قدمی کرنے کے لیے واضح اقدامات کرنے کا نام منصوبہ ہے۔

منصوبہ بندی کے اندر بہت ساری چیزیں شامل ہیں۔ لیکن ہم ان میں سے محض چند کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرائیں گے۔ پہلی بات یہ ہے کہ منصوبہ بنانے کے لیے یہ بات ناگزیر ہے کہ آپ کے پاس مستقبل کا ایک اندازہ ہونا چاہیے، جس کو انگریزی میں Forecast (پیشین گوئی) کرنا کہیں گے۔ آپ غیب کا علم تو نہیں رکھتے، لیکن انسانی استطاعت کی حد تک آپ اس قابل ہوں کہ آپ اس بات کا اندازہ کرسکیں کہ کل کیا ہوسکتا ہے۔ آپ کے کون کون سے حریف

کل کے لیے کیا پروگرام رکھتے ہیں۔ آپ کے کون سے حلیف کل کہاں ہوں گے۔ یا آپ کے کون کون سے مخاطبین کل کیا صورت اختیار کریں گے۔ اس قسم کے اندازے کی صلاحیت کے بغیر کوئی منصوبہ بن نہیں سکتا۔ مستقبل کے اندازے قائم کیے بغیر یہ سوچنا کہ کاموں کی فہرست بنانا ہی منصوبہ بندی ہے، محض خام خیالی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ کے سامنے کل کے کام کا اندازہ ہونا چاہیے۔ ورنہ آپ ایک قدم سے دوسرا قدم اٹھاتے رہیں گے لیکن، اصل منزل سے اتنی ہی دور رہیں گے، جتنا کہ شروع میں تھے۔ آج دو ارکان تھے کل تین ہو گئے، پانچ ہو گئے یا سات ہو گئے۔ اس قسم کا جائزہ لینا ان تنظیموں کا کام تو ہو سکتا ہے، جو Maintenance Organisation ہیں۔ لیکن جس کے سامنے کوئی منزل ہو، اسے منزل کا پورا اندازہ ہونا چاہیے۔ آپ میں سے کتنوں کو معلوم ہے کہ کس ضلع میں کتنے اساتذہ ہیں۔ آپ میں سے کتنوں کو یہ معلوم ہے کہ فلاں ضلع میں کتنے اسکول کتنے کالجز اور کتنے طلبہ ہیں۔ جماعت کے بہت سے امرائے حلقہ یا نظمائے علاقہ میں سے کتنوں کو یہ معلوم ہے کہ ان سے متعلق کس ضلع کی آبادی کتنی ہے اور اس میں با اثر لوگ کتنے ہیں اور بے اثر لوگ کتنے ہیں۔

یہ دراصل ہر زندہ قوم کو سوچنا پڑتا ہے۔ اس طریقے سے تحریکی تنظیم کو مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے الفاظ میں ہوشیار جنرل کی طرح اس کو دشمن کے مورچے، حریف کی طاقت، حلیف کی قوّت اور آنے والے حالات سب کا اندازہ ہو۔ اِسی صورت میں آگے بڑھنے کی تیاری ہو سکتی ہے۔

تیسری چیز یہ ہے کہ مستقبل کے لیے اہداف اور Targets کا تعین ضروری ہے۔ جو کام کل کرنا ہے، وہ آپ پہلے ہی منصوبے میں نہیں کر لے رہے ہیں۔ لیکن جو کام کرنا ممکن ہے جو Potential ہے وہ آپ کو معلوم ہونا چاہیے۔ Potentials کا جو آپ Target بنائیں گے جو Possible ہے، وہ آپ کو حاصل ہو جائے گا۔ لیکن جب آپ قناعت بھی چھوٹی چیزوں پر کر جائیں گے تو چھوٹے ہی رہیں گے، اونچے نہیں ہو سکیں گے۔ وہ جماعتیں یا قومیں دنیا کے اندر کبھی اوپر نہیں اٹھ سکتیں، جو بلند اور اعلیٰ اہداف نہیں متعین کر سکتیں۔

چوتھی چیز یہ ہے کہ ترجیحات کا قائم کرنا بڑا ضروری ہے۔ کسی وقت بھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ جو کام آپ کرنا چاہیں گے اس کے لیے آپ کے پاس پورے وسائل موجود ہوں۔ یہ انسانی

زندگی میں بالکل ناممکن شئے ہے۔ اور اگر آپ کام اس لیے کرتے چلے جائیں کہ یہ کام تو بڑا اچھا ہے یا یہ کام تو بڑا ضروری ہے یا اس کام کا بڑا تقاضا ہے تو کاموں کا بوجھ تو بڑھتا چلا جائے گا لیکن تنظیم بوجھل اور غیر مؤثر ہوتی چلی جائے گی۔ اس لیے کام سے پہلے کاموں کی ترجیحات قائم کرنا ناگزیر ہے۔ اور ترجیحات کے اندر یہ مشکل ہے کہ ہم کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کون سا کام زیادہ اہم ہے اور کون سا کام کم اہم۔

ہوتا یہ ہے کہ ہم میں "نہیں" کہنے کی جرأت اور ہمت نہیں ہے۔ جو کام پسند آ جائے اور ہم یہ کہیں کہ نہیں کریں گے، اس لیے کہ ہمارے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں۔ جس کام کا مطالبہ ہو جائے اور ہم میں کہنے کی جرأت ہو کہ نہیں ہم اس وقت یہ کام نہیں کر سکتے یا نہیں لے سکتے۔ جب تک کہ یہ نہیں کہنے کی جرأت نہ ہو، اس وقت تک ترجیحات قائم نہیں ہو سکتیں۔

آخری بات وہ عرض کرنی ہے، جو میں شروع میں مختصراً عرض کر چکا ہوں۔ وہ یہ کہ جو کچھ آپ طے کریں اس کو فیصلے کی صورت دینا ضروری ہے۔ اور انگریزی میں یوں کہا گیا ہے کہ کچھ Ws ہیں ان Ws کا جواب اگر فیصلے کے اندر شامل ہو What, Why, Who, When, Where, How اس کے بعد فیصلہ عملی جامہ پہنانے کے لائق بنتا ہے۔ میں اسے اردو میں یوں کہتا ہوں کہ ۶ ک، ہیں (کیا، کیوں، کون، کہاں، کب اور کیسے) جس طرح کن فیکون ہوتا ہے اور یہ بھی ک سے ہی بنا ہے۔ اس طرح اگر ان ۶ ک کا جواب دے کر آپ کوئی فیصلہ کریں گے تو وہ فیصلہ فیکون ہو سکے گا۔ ورنہ میرے علم میں بھی ہے اور آپ کے علم میں بھی ہوگا کہ بے شمار فیصلے روداد اور کاغذ کی زینت بنے رہتے ہیں اور عملی جامہ نہیں پہن پاتے۔

چوتھا اصول حکمت تنظیم کا یہ ہے کہ تنظیم کو اپنے وسائل کو مسائل کے بجائے امکانات پر مرتکز کرنا چاہیے۔ میں اپنی اس بات کی تھوڑی سی وضاحت کروں گا۔ مسائل ہر تنظیم کے ساتھ بے شمار ہوتے ہیں۔ انسانوں کے مسائل ہیں، فلاں آدمی خراب ہو گیا، فلاں آدمی کمزور ہو گیا، فلاں جگہ بیت المال میں خرد برد ہو گئی وغیرہ اور جیسے جیسے تنظیم پھیلتی جاتی ہے، مسائل کی تعداد بھی بڑھتی جاتی ہے۔ اور اگر آپ ان مسائل سے الجھنا چاہیں گے اور سب کو حل کرنا چاہیں گے تو آپ کے پاس ایک منٹ بھی اس بات کے لیے نہیں بچے گا کہ آپ کل کے بارے میں کچھ سوچ سکیں۔ میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ مسائل حل نہ کریں یا ان کے حل کے لیے مساعی نہ کریں۔

بلکہ میں اس بات کا قائل ہوں کہ تنظیم کو اپنی قوتوں کا ایک حصہ مسائل کو حل کرنے میں لگانا چاہیے۔ لیکن میں یہ بھی کہنے کی جرأت کروں گا کہ بعض مسائل کو حل کرنے سے انکار کر دینا چاہیے۔ اس لیے کہ مسائل کو حل کرنے میں جتنی قوت لگے گی، اس سے ہم کئی گنا زیادہ قوت پیدا کر سکتے ہیں۔ ایک آدمی کو سدھارنے میں اگر ایک مہینا لگتا ہے تو اس ایک مہینے میں شاید دس آدمی اور ہمارے ساتھ آ سکیں۔ نبی کریم ﷺ کی حکمت عملی یہی تھی۔ اس لیے کہ آپ کے معاشرے میں اچھے، برے مومن اور منافق سب طرح کے انسان موجود تھے۔ سب کو آپ لے کر چل رہے تھے۔ اور آپ کی توجہ اسی بات پر مرکوز تھی کہ اصلاح کا کام بھی کرو اور ساتھ ہی ساتھ پھیلتے جاؤ۔ اگر کسی بھی خطے سے، خراب اور غلط لوگ آ رہے ہیں تو اس پھیلاؤ کو مت روکو۔ اسی حکمتِ عملی (Policy) کے نتیجے میں مدینہ کی ریاست ۱۰۰ سال کے عرصے میں Spain سے لے کر چین تک پھیل گئی۔ ورنہ یہ اسی جزیرے کے اندر یا اسی کوزے کے اندر خود کڑھتی رہتی۔ لوگوں کی اصلاح اور مسائل کا حل کرتی رہتی۔

بعض چیزیں آپ کے دامن کو کھینچتی ہیں ان پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ لیکن آپ امکانات اور مواقع پر توجہ زیادہ مرکوز کریں۔ مسائل اور ان کے حل پر توجہ ذرا کم کریں۔ ورنہ ساری توجہ مسائل اور ان کے حل کی نذر ہو جائے گی۔

پانچواں اُصول یہ ہے کہ تنظیم کو ہلکا پھلکا ہونا چاہیے۔ ہلکی پھلکی چیز زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھ سکے گی۔ بھاری بھرکم اور بوجھل چیز کے لیے چلنا اور تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھنا اس سے امراض بھی پیدا ہوتے ہیں۔ جس انسان میں زیادہ وزن ہوتا ہے ڈاکٹر اُسے مشورہ دیتے ہیں کہ اپنا وزن کم کر لو۔ دنیا کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ وہی فوجیں دنیا کے اندر کامیاب ہوئیں، جن کے پاس ہلکے پھلکے تیز رفتار ہتھیار اور اسلحے تھے۔ ہاتھی کے مقابلے میں اونٹ غالب آیا ہے اور اونٹ کے مقابلے میں گھوڑا غالب آیا ہے۔ گھوڑے کے مقابلے میں ٹینک غالب آیا ٹینک کے مقابلے میں ہوائی جہاز غالب آیا اور ہوائی جہاز کے مقابلے میں میزائل۔ جو بات تاریخ میں ہر چیز پر صادق آتی ہے، وہی تنظیموں کے لیے بھی ہے۔ جو چیزیں تنظیموں کو بوجھل بناتی ہوں، وہ چلنے کے اندر رکاوٹ پیدا کرتی ہیں۔

جن باتوں سے تحریکوں یا تنظیموں میں اضمحلال آتا ہے۔ ان کی فہرست لمبی ہے، میں

ان میں سے دو باتوں کی طرف توجہ دلاؤں گا۔ ان میں سے پہلی چیز اجتماعات کی کثرت ہے۔ اس سے آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں اجتماعات کی اہمیت کم کر رہا ہوں۔ اجتماع تنظیم کے لیے ایک ناگزیر شے ہے۔ لوگ سر جوڑ کر بیٹھیں گے نہیں تو تنظیم میں زندگی پیدا نہیں ہوگی۔ میں جو بات کر رہا ہوں، وہ یہ ہے کہ اجتماعات کی کثرت تنظیم کو بوجھل بناتی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہر اجتماع کے بارے میں کیوں کا سوال کریں۔ اور سوچیں کہ آخر یہ اجتماع کیوں ہو رہا ہے؟ یہ اس لیے ہو رہا ہے کہ یہ ہوتا چلا آیا ہے یا اس لیے کہ واقعی اس سے تنظیم کی کوئی افادیت پیش نظر ہے؟ ایسی صورت میں آپ بہت ساری میٹنگوں اور اجتماعات سے شاید پیچھا چھڑا سکیں۔

دوسری بات کمیٹیاں ہیں۔ یہ کمیٹیاں اور مجلسیں بھی ضروری اور مفید ہیں۔ لیکن کمیٹیوں اور مجلسوں کی زیادتی بھی تحریک و تنظیم کو بوجھل اور مضمحل بناتی ہے۔ جو کام افراد کو کرنا چاہیے تھا وہ اب کمیٹیوں کے ذریعے کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

چھٹا اُصول یہ ہے کہ تنظیم کا سب سے قیمتی سرمایہ اس کا وقت ہے۔ جس طرح کہ تاجر کے لیے پیسہ اصل سرمایہ ہے۔ اگر آج کی Business Management پر کتابیں پڑھیں تو وہ بھی یہی کہیں گی کہ آج اصل سرمایہ Idea اور انسان ہے، پیسہ نہیں ہے۔ محض پیسے سے کام نہیں ہوگا۔ Idea اور انسان ہوگا تو تجارت بڑھے گی۔ لیکن تحریک کے لیے سب سے بڑا سرمایہ اس سے وابستہ انسانوں کا وقت ہے اور وقت کا حساب اور استعمال بہت ضروری ہے۔ میں نے شروع میں آپ سے یہ بات کہی تھی کہ بظاہر آپ کی نگاہ میں یہ تربیت گاہ ہے، جس میں کہ لوگ آئے اور چلے گئے اور اس پر کم و بیش 50,000 ہزار روپے خرچ ہوئے۔ میری نظر میں اس میں تقریباً ڈھائی، تین ہزار افرادی ایاّم صرف ہوئے۔ اور جب تک آپ یہ حساب نہیں لگائیں گے کہ پچاس آدمی کی شوریٰ اگر چھ دن بیٹھتی ہے تو تیس سو ذمہ دار افراد کی افرادی قوت کس کام میں صرف ہوئی۔ اور اجتماع برائے اجتماع بلوایا یا اس سے کیا فائدہ ہوا۔

وقت ایک سرمایہ (Assets) ہے۔ پیسہ تو آپ بینک میں رکھ سکتے ہیں اور آج کا پیسہ آپ کل استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن وقت کو آپ کہیں جمع (Deposit) نہیں کر سکتے۔ پیسہ آپ کے پاس نہیں ہے تو کہیں سے آپ قرض مانگ کر خرچ کر سکتے ہیں وقت کو آپ قرض پر کہیں

سے لا کر خرچ نہیں کر سکتے۔ نہ آپ اس کو ذخیرہ (S t o r e) کر سکتے ہیں، نہ Deposit کر سکتے ہیں نہ borrow کر سکتے ہیں۔ یہ تو بس آیا اور گیا۔ اس وقت کے اندر وہ پیش رفت کرنی ہے، جس سے منزل قریب آئے۔ لیکن وہ افراد آج موجود نہیں ہیں، جو کل ہوں گے۔ تنظیم کو اس بات کی فکر کرنی چاہیے۔ اس کا جو اجتماعی وقت ہے، اس کا استعمال کس طرح ہو رہا ہے۔ آپ کے یہاں ایک مرکزی محاسب (Auditor) ہے، وہ دیکھتا ہے کہ بیت المال میں پیسے کہاں سے آئے اور کہاں گئے۔ آپ کو ایک ایسے محاسب (Auditor) کی بھی ضرورت ہے، جو یہ دیکھے کہ وقت کیسے آیا اور کہاں گیا۔ اس بات کا حساب بیت المال کے سرمایے کے حساب سے زیادہ ضروری ہے۔ پیسہ تو ہاتھ کا میل ہے۔ آئے گا اور چلا جائے گا۔ آج ضائع ہو گا، کل بہت کچھ آ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے گا بہت عطا کر دے گا۔ لیکن وہ وقت جو اللہ نے دیا ہے، وہ چلا جائے گا تو دوبارہ نہیں ملے گا۔

ساتویں چیز یہ ہے کہ اجتہاد کی قوت اور صلاحیت کسی بھی حکمت کو نافذ کرنے کے لیے ناگزیر ہے۔ اجتہاد کے معنی یہ ہیں کہ نئے نئے پیش آنے والے مسائل پر سوچنے اور ان سے نبرد آزما ہونے کے لیے آپ کے پاس بھر پور صلاحیت ہو اور تمام مسائل اور الجھنوں میں گھرنے کے باوجود بھی آپ اپنے لیے صحیح اور مناسب راہ کا تعین کر سکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ پرانے مسائل پر سوچنے، غور کرنے اور انھیں نئے تقاضوں کے معیار پر لانے کی بھی صلاحیت ہونی چاہیے۔ ایک ہی مسئلہ بار بار سر اٹھا کر کھڑا ہوتا ہے اور اس پر ہم گھنٹوں صرف کرتے ہیں، اگر اس کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اس کے معنی ہیں کہ ہم ایسی پالیسی بنانے سے قاصر ہیں، جو پیش آمدہ مسائل کو فی الفور حل کر سکے۔ حالات بدلتے اور متغیر ہوتے رہتے ہیں، اگر ہم اجتہاد کی صلاحیت پیدا نہ کریں گے، تو ٹھٹھر کر رہ جائیں گے اور، ماضی کے بوجھ تلے دب جائیں گے۔ میں یہاں فقہ اور شریعت کی بات نہیں، بلکہ حکمت تنظیم کی بات کر رہا ہوں۔ زندہ معاشرے کی بات کر رہا ہوں۔ اس سلسلے میں میں ایک مثال دوں گا، مسلمانوں نے عراق کی سرزمین فتح کی یہ ایک نئی صورت حال تھی، اب تک کے جو رائج تصورات قوانین اور اصول تھے، اس کے لحاظ سے اس سرزمین کو فاتحین کے درمیان تقسیم ہو جانا چاہیے۔ اس وقت کا حکمراں اگر اجتہاد کی قوت سے عاری ہوتا تو اسلامی حکومت آیندہ برسوں بہترین وسائل سے محروم ہوتی اور عراق کے اندر ایک

بدترین جاگیردارانہ سسٹم قائم ہو جاتا۔ تین دن مسجد نبوی میں بحث کر کے ایک نئی راہ یہ نکالی گئی کہ یہ تقسیم نہیں کی جائے گی۔ یہ بڑا زبردست اجتہاد تھا، جس سے معیشت و سیاست پر اس کے گہرے اثرات پڑے۔ لیکن اس پر اگر وہ لگے بندھے اصولوں پر اڑے رہتے اور کہتے کہ ہم پرانے ہی اصولوں اور ضابطوں پر قائم رہیں گے، اس سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے تو وہ جماعت زندہ تہذیب بن کر دنیا کے اندر غالب نہیں ہو سکتی تھی۔

واضح رہے کہ جو بات بڑی جماعتوں اور بڑی تہذیبوں کے لیے صحیح ہے، وہی بات چھوٹی جماعتوں اور چھوٹے گروہوں کے لیے بھی ضروری ہے۔ وہی بات Business Corporation کے لیے بھی ضروری ہے۔ کوئی بھی تجارتی ادارہ جو آج سے دس سال کے بعد بھی مارکیٹ کا جائزہ لے کر اور آج اجتہاد کر کے نئی مصنوعات لانے کا منصوبہ نہیں بناتا، اس کے حریف آ کر اسے میدان سے ہٹا دیں گے۔ اس لیے کہ روز حالات بدلیں گے اور نئے نئے منصوبوں کی ضرورت پڑے گی۔ پھر تو وہ خالی میدان میں کھڑا ہوگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آئے گا کہ وہ کیا بیچے؟ یا کیا، کیسے، یا کس بات کی دعوت دے؟ دوسرے حریف اس کا مال اچک کر لے جائیں گے یا Hijack کر کے لے جائیں گے۔ اس کے دعوے دار بن کر کھڑے ہو جائیں گے۔ اور وہ دیکھے گا کہ میرا مال اب دوسروں کے ہاتھ میں ہے، میرا مال دوسروں کے پاس اور میرے گاہک دوسری دکان کے پاس کھڑے ہوئے ہیں اور میرے پاس ان کو دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے تو پیش بینی کے ساتھ اجتہاد کی صلاحیت، تبدیلی کی قوت اور تغیر کی ہمت ضروری ہے۔ اس کے بغیر اجتہاد بے کار ہے۔

یہ سات اصول آپ کے سامنے منتخب کر کے پیش کیے گئے ہیں۔ جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ حکمت تنظیم کا موضوع بڑا وسیع موضوع ہے۔ اس کے تحت بہت ساری باتیں کہی جا سکتی تھیں۔ لیکن میں نے سمیٹ کر بات کی ہے۔ میں نے اس بات کی بھی کوشش کی ہے کہ نظریاتی باتیں نہ کروں۔ ان کو سامنے رکھ کر اگر آپ ہمت اور جرأت سے اس میں تبدیلیاں کریں اور ہمت اور جرأت سے اس کو نافذ کریں تو جتنا آپ نافذ کریں گے مجھے اس بات کا یقین ہے کہ جو تنظیم جہاں بھی اسلامی انقلاب کے لیے کام کر رہی ہے، وہ زیادہ موثر اور کارگر ہوتی چلی جائے گی۔

❋✵❋